سلسلہ دورِ نبوت کے بچے 5

www.urduguru1.blogspot.com

سخاوت کا دریا

اشفاق احمد خاں

دار السلام
DARUSSALAM

سلسلہ دورِ نبوّت کے بچّے 5

سخاوت کا دریا

عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما

اشفاق احمد خاں

دارُالسّلام
کتاب وسنّت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور • کراچی
اسلام آباد • لندن • ہیوسٹن • نیو یارک

www.urduguru1.blogspot.com

آسمان پر ستارے ٹمٹمار ہے تھے۔ چاند کے بغیر وہ کتنے ادھورے لگ رہے تھے۔ ان کی چمک دمک اور جھلملاہٹ زمین پر پھیلی تاریکی کو دور کرنے میں ناکام ثابت ہو رہی تھی۔ زمین پر پھیلی اندھیرے کی چادر میں چند ہیولے حرکت کر رہے تھے۔ ان کے انداز میں ڈر، خوف اور اندیشہ نمایاں تھا۔ چند قدم چل کر وہ رُک کر پیچھے کی جانب دیکھنے لگتے۔ پھر مطمئن ہو کر دوبارہ سفر شروع کر دیتے، شاید انھیں کسی کے تعاقب کا اندیشہ تھا۔

جس راستے پر وہ سفر کر رہے تھے، وہ نہایت دشوار گزار اور انتہائی پر خطر راستہ تھا۔ کہیں بلند و بالا پہاڑ تھے تو کہیں ریتلے میدان، کہیں

راستے میں خار دار جھاڑیاں بچھی تھیں ، تو کہیں چٹیل سنگلاخ میدان اُنھیں سمندر تک پہنچنا تھا......لیکن سمندر تک پہنچ کر بھی ان کے سفر کو ختم نہیں ہونا تھا، بلکہ وہاں سے انھیں ایک نئے اور خطروں سے بھرپور سفر کا آغاز کرنا تھا۔ایک لمبے اور طویل سفر کا آغاز۔

ان مسافروں کو سفر کا آغاز کیے کتنا ہی وقت بیت چکا تھا اور اب ان کی منزل قریب تھی۔ رات کی سیاہی ختم ہونے والی تھی کہ انھیں سمندر کی پر شور لہروں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ان کے چہروں پر زندگی کی نئی لہر دوڑ گئی۔ مسلسل سفر نے انھیں نڈھال اور بے جان سا کر دیا تھا لیکن سمندر کو اپنے سامنے دیکھ کر ان کی ساری

تھکاوٹ دُور ہو گئی۔ جس مقام پر وہ لوگ پہنچے تھے۔ اس کا نام ''شُعَیبَہ'' تھا۔ یہیں سے انھوں نے اپنے نئے سفر کا آغاز کرنا تھا۔

سفر کے لیے انھوں نے تجارت کے لیے استعمال کی جانے والی کشتیوں کا انتظام کیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کشتیاں اپنی ابتدائی شکل میں تھیں۔ آج کے زمانے کی کشتیوں کی طرح مضبوط اور طاقت ور نہیں تھیں۔ اس وقت کے لحاظ سے وہ بھی غنیمت تھیں۔ وہ لوگ کشتیوں میں سوار ہو گئے۔ اس طرح ایک نیا سفر شروع ہو گیا۔ سمندر کی بلند و بالا لہروں پر کشتیاں کھلونوں کی مانند اُچھل رہی تھیں۔ طوفانی لہروں کے دوش پر بہتی ان کشتیوں کا رُخ جنوب کی طرف تھا۔ افریقہ کی طرف......

جہاں انھیں ملک حبشہ پہنچنا تھا۔ مسلسل سفر کرتے ہوئے وہ ''باب المندب'' سے اوپر چڑھے جو جزیرۂ عرب اور افریقہ کے ساحلوں کے درمیان بحراحمر میں نہایت تنگ جگہ ہے اور سمندر کو عبور کرتے ہوئے افریقہ کی طرف چلے تاکہ اپنی نئی منزل ''حبشہ'' پہنچ سکیں۔

حبشہ کا حکمران نجاشی ایک انصاف پسند حکمران تھا۔ وہ نہ تو کسی پر ظلم کرتا تھا اور نہ ظلم کرنے والوں کو پسند کرتا تھا۔ عرب کے خطے سے ہجرت کر کے آنے والوں کو اُس کے ہاں پناہ مل گئی اور وہ بے خوف و خطر زندگی گزارنے لگے۔ آپ یقیناً جان چکے ہوں گے کہ ہجرت کر کے آنے والے یہ لوگ کون تھے؟ اور انھیں اپنا ملک چھوڑ کر ہجرت

کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی؟

یہ وہ دور تھا جب خطۂ عرب پر نبوت کا چاند طلوع ہو چکا تھا۔ محمد مصطفیٰ ﷺ اپنی رسالت کا اعلان کر چکے تھے۔ جن لوگوں نے آپ ﷺ کی دعوت پر اسلام قبول کیا، کفار نے ان کو شدید اذیتیں دیں، ان کو طرح طرح کی سزائیں دیں۔ ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا حتیٰ کہ وہ زندگی سے عاجز آ گئے۔ یہ صورتِ حال رسول اللہ ﷺ کے لیے تکلیف کا باعث تھی۔ اسی لیے جب معاملہ انتہائی شدت اختیار کر گیا تو آپ ﷺ نے مسلمان ہونے والوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی۔ چنانچہ مسلمانوں نے بچتے بچاتے، رات کے

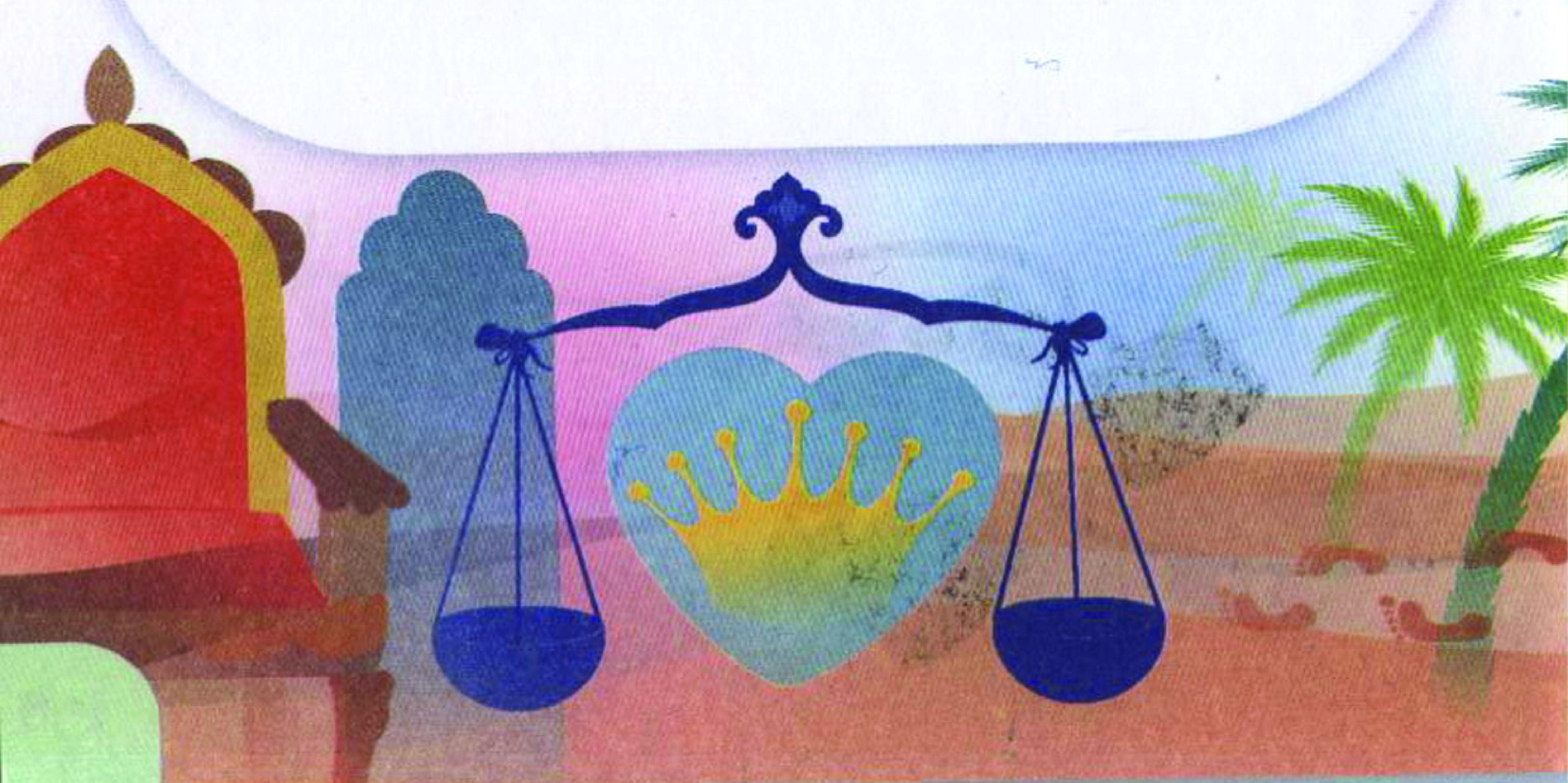

اندھیرے میں ہجرت کے لیے، اپنی ہی سرزمین ''مکہ'' کو چھوڑ دیا۔ مکہ، جہاں تاریخی اور ابدی سچائی کا مظہر بیت اللہ تھا۔ اپنے گھر بار، مال مویشی ہر چیز انھوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کے لیے چھوڑ دی تھی۔ ان ہجرت کرنے والوں میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، ان کی زوجہ محترمہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں، اور سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

جب ان لوگوں نے اپنے قدم ہجرت کی خاطر مکہ سے باہر نکالے تو قریش کے مشرکین بہت تلملائے۔ وہ تو اسلام قبول کرنے والوں کو تڑپا تڑپا کر، اذیتیں دے دے کر، اپنے آباء واجداد کے مذہب کی طرف پھیرنا

چاہتے تھے۔ انھیں اپنے قبضے میں رکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے جیسے ہی انھوں نے سنا کہ مسلمان ہجرت کر گئے ہیں، وہ انھیں ہجرت سے روکنے کے لیے نکل پڑے۔ لیکن انھیں دیر ہو چکی تھی۔ وہ سمندر کے کنارے اُس وقت پہنچے جب مسلمان کشتیوں پر سوار ہو کر نگاہوں کی حدوں سے دور جا چکے تھے۔ وہ کفِ افسوس ملتے ہوئے پلٹ آئے۔

کفارِ مکہ نے اس کے بعد بہت کوشش کی کہ ہجرت کا یہ سلسلہ رُک جائے لیکن اسلام قبول کرنے والے لوگ یکے بعد دیگرے موقع ملتے ہی گروپ کی شکل میں حبشہ کی طرف ہجرت کر جاتے۔ اب کفار یہ سوچنے لگے کہ مسلمان آخر حبشہ ہی کیوں ہجرت کر رہے ہیں۔ بہت غور و فکر کے

عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ پر مشتمل تھا۔ یہ دونوں بڑے ذہین اور فصیح و بلیغ تھے۔ ان دونوں نے کاہنوں کی مدد سے نجاشی کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکال دے۔ لیکن نجاشی ایک عقل منداور کھلے دل کا مالک شخص تھا۔ کفار کے دلائل سن کر اس نے اصرار کیا کہ مسلمانوں کو بھی ان دلائل کے جواب دینے کا موقع ملنا چاہیے۔

چنانچہ مسلمانوں نے کفار کے الزامات کو رد کرنے اور اپنے دین کی حقیقت واضح کرنے کے لیے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا۔ انھوں نے دربار میں نجاشی کے سامنے کھڑے ہو کر واضح کیا کہ ان کا

دین غالب اور کارساز قوت اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیتا ہے۔
گناہوں میں ڈوبے ہوؤں کو نیکی کے راستے پر چلنے کی ترغیب دیتا ہے۔
اسلام کے عقائد اُسی منبع سے پھوٹتے ہیں جس سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے رہنمائی حاصل کی۔ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے سامنے سورۂ مریم کی کچھ آیات کی تلاوت بھی فرمائی۔ نجاشی نے یہ آیات سن کر کہا: ''یقیناً یہ وہی تعلیم ہے جسے لے کر مسیح اور موسی علیہما السلام تشریف لائے تھے۔'' اس کے بعد اُس نے عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو واپس جانے کا حکم دے دیا۔ یوں کفار کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

یہ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی اور

کٓھٰیٰعٓصٓ ۝ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا

رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں۔ وہ سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے تھے۔ نہایت متقی، پرہیزگار اور سخی تھے۔ انھوں نے اپنی بیوی اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے ہمراہ ہجرت کی تھی۔ حبشہ میں قیام کے دوران ان کے ہاں عبداللہ، محمد اور عون نامی بچے پیدا ہوئے۔ جب عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہوئی تو اس کے کچھ دن بعد نجاشی کے ہاں بھی بیٹا پیدا ہوا۔ اُس نے سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کے ہاں پیغام بھیجا کہ آپ نے اپنے بیٹے کا نام کیا رکھا ہے۔ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے جب بیٹے کا نام بتایا تو اس نے بھی اپنے بیٹے کا نام عبداللہ رکھ لیا۔ اُسے اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے دودھ بھی پلایا۔ اس بنا پر انھیں اہلِ حبشہ کے ہاں ایک خاص مقام

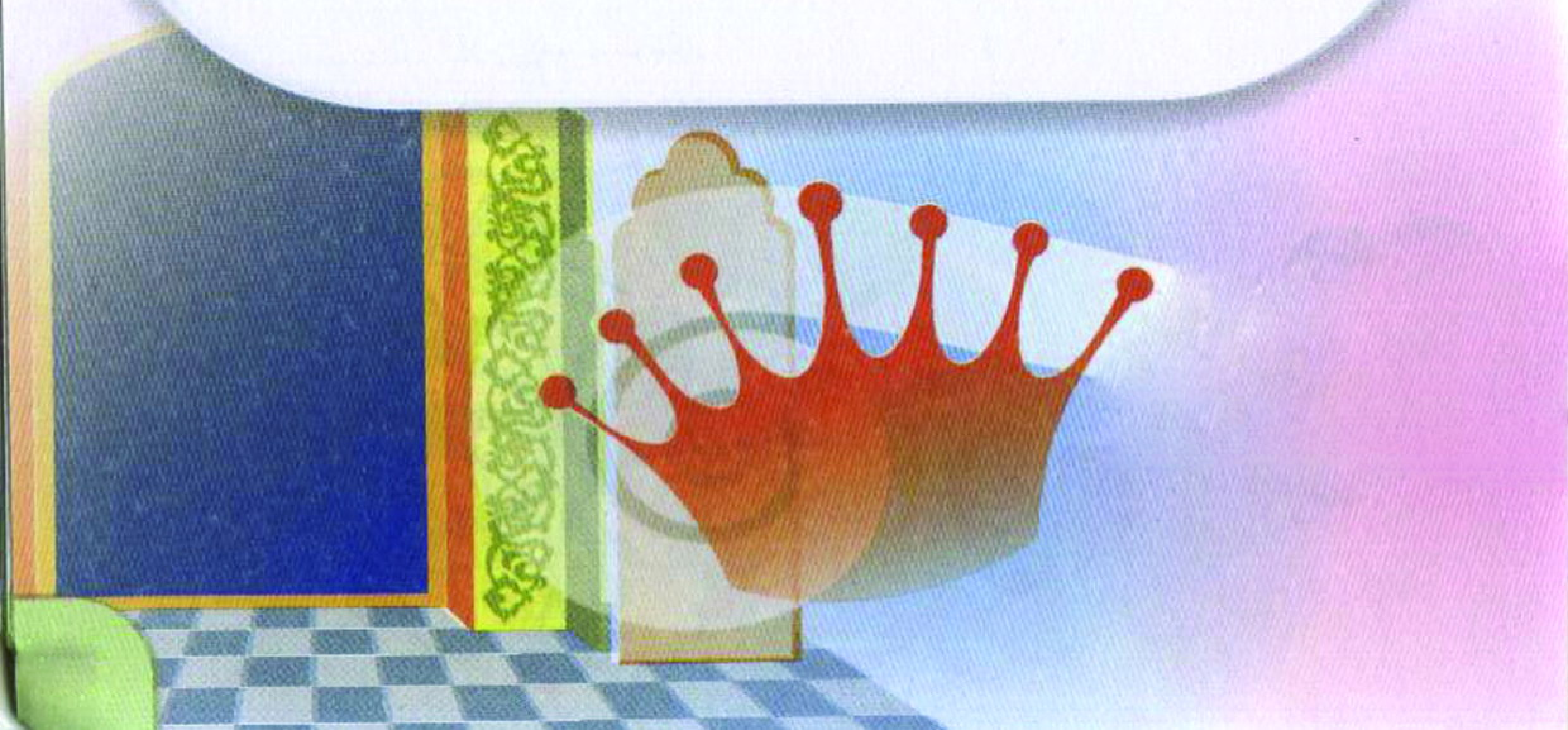

حاصل ہوگیا تھا۔

زندگی میں امن و سکون ہو، اجنبی سرزمین کے اجنبی لوگ، گلے لگا کر اپنوں کا سا پیار دیں تو آدمی ساری مشکلات اور مصائب بھول جاتا ہے۔ البتہ ایک کسک، ایک تڑپ اُس کے دل میں ہمیشہ جاگتی رہتی ہے۔ وہ ہے اپنے وطن سے محبت، سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی دل میں واپسی کی شدید خواہش رکھتے تھے۔ ان کی یہ خواہش فتح خیبر کے موقع پر پوری ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے وہ خیبر آ پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کو دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ اور ان کی آمد پر مسرت کا اظہار ان

الفاظ میں کیا:

”مجھے معلوم نہیں، جعفر کے آنے کی زیادہ خوشی ہے یا خیبر فتح ہونے کی۔“

سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے جنگ موتہ میں شہادت کا رتبہ حاصل کیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کی خبر ان کی بیوی کو دی تو ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی سنائی کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے جعفر رضی اللہ عنہ کے دو پر لگا دیے ہیں۔ وہ جنت میں ان پروں کے ساتھ اُڑتے پھرتے ہیں۔

سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کے لاڈلے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ محبت تھی۔ صرف اس لیے نہیں کہ وہ ان کے چچا زاد بھائی کا بیٹا تھا، بلکہ خود ان میں بہت سی ایسی صفات تھیں جن کی بنا پر وہ سب

کی توجہ اور محبت حاصل کر لیتے تھے۔ جو شخص بھی عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کو دیکھتا تو اس کا دل بے اختیار اس بات کی شہادت دینے لگتا کہ اس بچے کی ذات میں بھلائی اور نیکی کی خوبیاں نمایاں ہیں۔ جو ان کی گفتگو سن لیتا وہ پہچان لیتا کہ وہ عمدہ عقل و دانش کے مالک ہیں۔ ایک دن ابوسفیان رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ تھیں۔ اُس وقت ان کے پاس عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔ انھیں دیکھ کر ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اے میری پیاری بیٹی! اس لڑکے سے سخاوت کی مہک اُٹھ رہی ہے، عزت و شرف چمک رہا ہے اور شرم و حیا جھلک رہی ہے۔''

سیدہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا ''ابا جی، آپ کے خیال میں یہ بھلا کون ہے؟''

ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اپنے خصائل (خوبیوں) سے تو یہ ہاشمی نظر آتا ہے۔''

سیدہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے پھر پوچھا: ''بنو ہاشم میں سے بھلا یہ کون ہے؟''

ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اگر اس نے جعفر کے ہاں جنم نہیں لیا تو میں اسے وادئ مکہ کو اپنی شہرت سے ڈھانپ لینے والا شمار نہیں کرتا (یعنی یہ مکہ میں مجھ سے زیادہ شہرت نہیں پا سکتا)۔''

سیدہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''یہ جعفر رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہے۔''

یہ سن کر ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کوئی فوت ہونے والا (آج تک) ایسا جانشین چھوڑ کر نہیں گیا۔''

عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گزارتے، جس کے نتیجے میں انھیں بھی زیادہ توجہ اور محبت ملتی۔ خاص طور پر والد کی وفات کے بعد رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اور بھی بڑھ گئی تھی۔ لوگوں نے بھی دیکھا تھا کہ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت والے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور اس کے سر پر اپنا ہاتھ پھیرتے رہے، حتی کہ منبر پر چڑھے اور عبداللہ رضی اللہ عنہ کو منبر کی نیچے والی سیڑھی پر بٹھالیا اور لوگوں کو ان کے باپ کی وفات کی خبر دی۔

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کی ہمیشہ یہ خواہش اور کوشش رہتی تھی کہ نبیٔ مہرباں صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ کا مرکز بنے رہیں۔ ان کی قربت کی تمنا انھیں ہمیشہ ساتھ ساتھ رکھتی۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سواری پر اپنے پیچھے بٹھالیا اور چپکے سے مجھے ایک بات کہی جو میں لوگوں میں سے کسی کو نہیں بتاؤں گا، کیونکہ وہ صرف میرے لیے تھی۔ اپنے پیچھے سواری کا شرف بخشنا اور اپنے ساتھ کسی بات میں چپکے سے شریک کرنا، اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ان کا ایک خاص مقام تھا اور وہ بہت زیادہ قرب رکھتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ سفر سے واپس آئے تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ یا

حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ انھیں بھی پیچھے سوار کر لیا۔ اس طرح تینوں ایک ہی جانور پر سوار ہو کر مدینہ میں داخل ہوئے۔ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک بات فرماتے سنا۔ مجھے وہ بات سرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب ہے (سرخ اونٹ بڑے قیمتی ہوتے ہیں یعنی قیمتی اونٹوں سے زیادہ محبوب ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: ''جعفر میری جسامت اور اخلاق میں سب سے زیادہ میرے مشابہ تھے، اور اے عبداللہ، تمام مخلوق میں سب سے زیادہ تم اپنے باپ سے مشابہ ہو۔'' غالباً رسولِ اکرم ﷺ کے فرمان کا مقصد یہ تھا کہ تم شکل صورت اور اخلاق میں میری مشابہت رکھتے ہو۔ اس قربت اور مقام کی وجہ سے

رسول اللہ ﷺ عبداللہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کیا کرتے تھے:

''اے اللہ! جعفر کے اہل و عیال میں خلیفہ بنا دے اور عبداللہ کے سودے میں برکت فرما دے!''

ایک مرتبہ سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے غیر آباد، بنجر زمین خرید لی۔ زمین خریدنے کے بعد اس میں دو رکعت نماز پڑھی اور دعا کی۔ ان کے سجدے کی جگہ سے ایک چشمہ پھوٹ پڑا اور تمام زمین، اس چشمے کی بدولت زرخیز اور شاداب ہوگئی۔ یہ سب نبیِ کریم ﷺ کی دعاؤں کا اثر تھا۔

سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما بڑے معزز اور سخی تھے۔ اللہ کی راہ میں ایسے شخص کی طرح خرچ کرتے جسے فقر و فاقے کا قطعاً خوف نہ ہو۔ یعنی

اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے انھیں اس بات کی بالکل فکر نہیں ہوتی تھی کہ وہ خود تنگ دست ہو جائیں گے۔ اور آپ ایسے کیوں نہ ہوتے آپ کے والد کو مسکینوں کی بہت زیادہ مدد کرنے پر ابوالمساکین (مسکینوں کا باپ) کا خطاب ملا تھا۔ سخاوت کی یہ عادت آپ میں بھی اسی طرح تھی۔

کہا جاتا ہے کہ عہدِ اسلام میں عربوں کے ہاں سخاوت کے لحاظ سے دس آدمی مشہور تھے۔ حجاز کے سخی لوگوں میں عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن عباس اور سعید بن عاص رضی اللہ عنہم تھے۔ لیکن ان تمام لوگوں میں عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے زیادہ فیاض اور سخی کوئی نہیں تھا۔ اسی سخاوت کی وجہ سے

ان کا نام بحرالجود (سخاوت کا دریا) پڑ گیا۔

ایک مرتبہ ایک دیہاتی مروان کے پاس گیا۔ مروان نے کہا: ''ہمارے پاس تمہیں دینے کے لیے کچھ نہیں ہے، تم عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے پاس جاؤ (وہ تمہاری امداد کریں گے)''

چنانچہ اس دیہاتی نے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے گھر کا رُخ کیا اور ان کی خدمت میں اشعار پیش کیے جن کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

''ابن جعفر رضی اللہ عنہما نبوت کے اہل بیت میں سے ہیں، مسلمانوں کے لیے اہل بیت کی دعائیں طہارت و پاکیزگی ہیں۔ اے ایسے شہید کے فرزند! آج آپ جیسا کوئی نہیں ہے جس سے میں امید کروں، سو آپ

مجھے (یوں خالی ہاتھ) نہ چھوڑ دیں کہ میں صحرا میں مارا مارا پھرتا رہوں۔"

دیہاتی کے یہ اشعار سن کر سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "تیری پریشانی کا بوجھ ختم ہو گیا ہے۔ یہ سامان سے لدا ہوا اونٹ لے لو، یہ میں نے ایک ہزار دینار کے عوض خریدا ہے۔"

ایک مرتبہ ایک آدمی ابنِ ابی فخر اپنا جانور بیچنے کے لیے نکلا، راستے میں عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے پاس سے گزرا تو انھوں نے پوچھا:

"کیا اسے بیچو گے؟"

اُس نے کہا: "نہیں، لیکن اللہ کی قسم! یہ تمھارے لیے ہے۔"

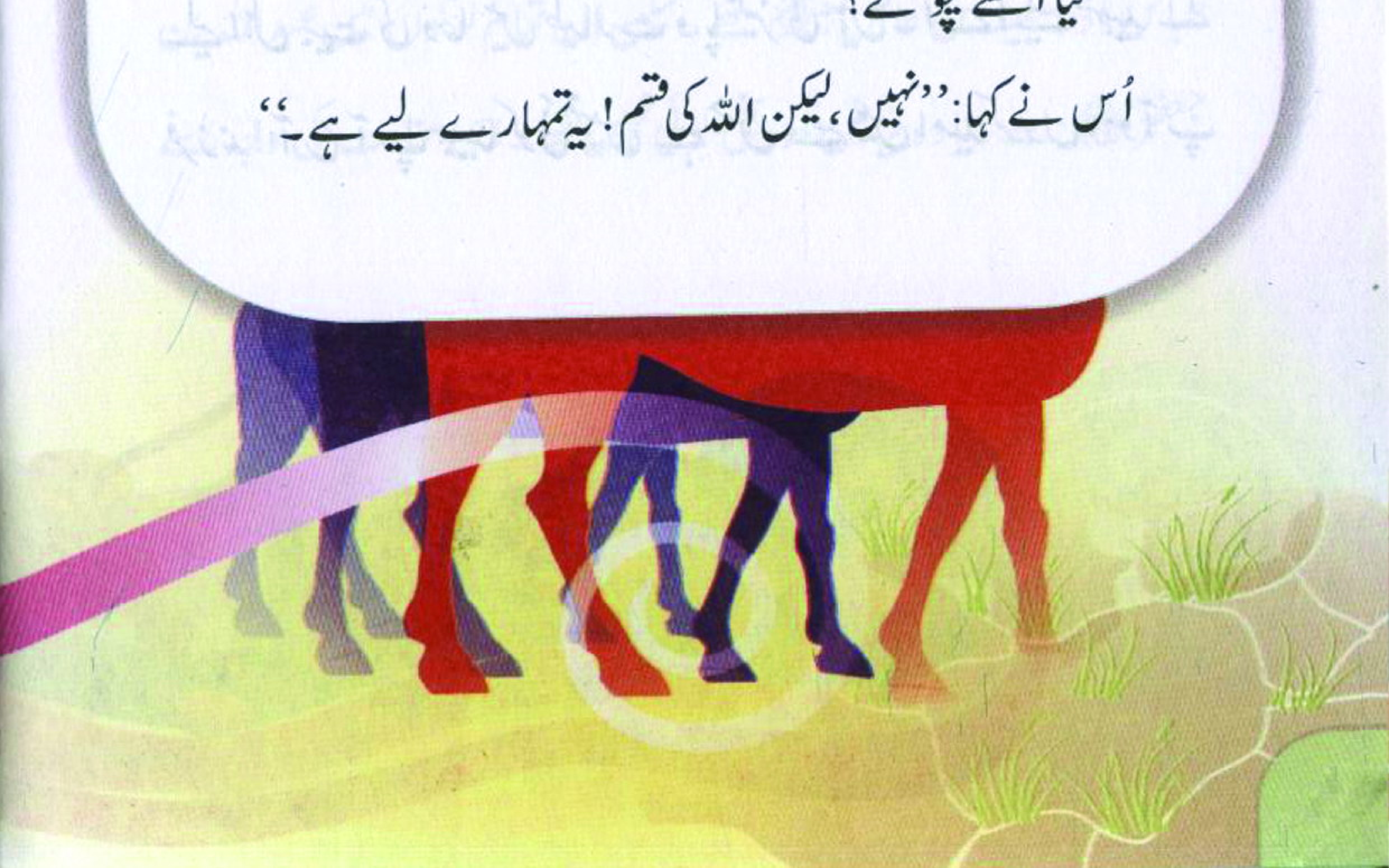

ابنِ ابی فخر اتنا کہہ کر اس جانور کو وہیں چھوڑ گیا۔ کچھ دنوں کے بعد رات کے وقت اس کے دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے دروازہ کھولا تو سامنے کچھ مزدوروں کو مال اُٹھائے دیکھا۔ اُس نے حیرت سے پوچھا:

''تم کون ہو اور کس ارادے سے آئے ہو؟''

انھوں نے کہا: ''ہم ابن جعفر رضی اللہ عنہما کے ہاں سے آئے ہیں۔''

ابنِ ابی فخر نے کہا: ''تم کیا چاہتے ہو؟'' اس نے ابھی اپنی بات مکمل نہیں کی تھی کہ مزدوروں نے اس کے سامنے گندم، زیتون، کپڑے اور کچھ دوسرا مال لا کر ڈھیر کر دیا۔ یہ تھا ایک معمولی جانور کے عوض

دیا جانے والا فیاضی سے بھرپور معاوضہ۔ ایک آدمی نے آپ کی مدح و ستائش کی تو آپ نے اسے ایک اونٹ، گھوڑا، کپڑے اور درہم و دینار دیے۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ آپ اُس سیاہ فام شخص کو اتنا مال و متاع دے رہے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: ''اگر وہ سیاہ ہے تو اس کے بال تو سفید ہیں (یعنی عمر رسیدہ ہے)۔ دراصل وہ اپنی بات کی وجہ سے اس مال کا بلکہ اس سے کہیں زیادہ کا حقدار ہے جو اُسے ملا ہے۔ ہم نے تو اسے صرف وہی چیز دی ہے جو بوسیدہ اور فنا ہو جائے گی۔ اس نے ہمیں مدح و ستائش اور تعریف دی جو بیان کی جائے گی اور ہمیشہ باقی رہے گی۔''

سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما بہترین مہمان نواز تھے۔ ان کی مہمان

نوازی کے حوالے ہی سے کہا گیا:

''اے ابن جعفر رضی اللہ عنہما، یقیناً آپ بہترین نوجوان ہیں، رات کو آنے والا جب آئے، آپ اس کا بہترین ٹھکانا ہیں۔''

فیاضی اور مہمان نوازی کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ، سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما بہت عبادت گزار تھے۔ وہ دن کو روزہ رکھتے اور رات اللہ کی عبادت اور اس سے راز و نیاز میں گزارتے۔ سخاوت کا یہ دریا، جب تک زندہ رہا، زمانہ اس کی فیاضی، سخاوت، عبادت گزاری اور بردباری کے چرچے کرتا رہا۔ موت ہر ذی روح کا مقدر ہے۔ جو اس دنیا میں آیا ہے، اُس نے جانا بھی ہے۔ سن اسّی ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔ یہ

وہی سال تھا جب وادیٔ مکہ میں تباہ کن سیلاب آیا تھا، اس سال کا نام جُحَاف (تباہی مچانے والا) رکھا گیا، کیوں کہ یہ تباہ کن سیلاب حاجیوں اور اونٹوں کو ان کے اوپر لدے ہوئے سامان سمیت بہا لے گیا تھا۔

جب سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کی وفات ہوئی تو اس وقت خلیفہ عبدالملک بن مروان کی طرف سے ابان بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ کے امیر تھے۔ سو وہ ان کے غسل و کفن کے وقت حاضر ہوئے۔ ابان بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے دوستونوں کے درمیان سے آپ کی چارپائی اُٹھائی اور بقیع (قبرستان کا نام) میں رکھنے تک کندھا دیے رکھا۔ (غم کی وجہ سے) آنسو ان کے رخساروں سے بہ رہے تھے اور ان کے لبوں سے یہ الفاظ نکل

یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِیٓ اِلٰی

رہے تھے:

''(اے عبداللہ!) اللہ کی قسم! آپ بہترین تھے، آپ میں کوئی برائی نہ تھی، آپ صاحبِ شرافت، نیک اور صلہ رحمی کرنے والے تھے۔''

نمازِ جنازہ بھی امیرِ مدینہ نے پڑھائی۔ بہت سے شاعروں نے آپ کی وفات پر مرثیے کہے۔ ان اشعار میں سے دو عمدہ اشعار جن کا ترجمہ یہ ہے:

''اللہ تعالیٰ کے اپنی مخلوق کو اُٹھانے تک قیام کرنے والے، تمہاری ملاقات کی اُمید نہیں کی جاتی، اگرچہ تم قریب ہی ہو۔ آپ ہر دن رات بوسیدگی میں بھرتے جائیں گے، جیسے جیسے آپ بوسیدہ ہوتے

رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۝ وَادْخُلِي جَنَّتِي

جائیں گے (یعنی دن زیادہ گزرتے جائیں گے) اسی طرح آپ بُھلا دیے جائیں گے، جب کہ آپ محبوب ہیں۔"

اس طرح سرزمین حبشہ میں مسلمانوں کے ہاں سب سے پہلے پیدا ہونے والے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما فوت ہو گئے۔ دو پروں والے کے فرزند فوت ہو گئے۔ وہ شخصیت دنیا سے کوچ کر گئی جس نے سات سال کی عمر میں نبیٔ اکرم ﷺ کی بیعت کی۔

وفات کے وقت سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کی عمر نوے سال تھی۔

سخاوت کا دریا

سخاوت کی مہک

صاحبِ دل لوگ محسوس کر لیتے ہیں

سخاوت کا تعلق، ہے بھی دل سے......

دماغ ہاتھ کو روکتا ہے، ٹوکتا ہے......

دل...... دریا دلی...... پر آمادہ کرتا ہے

امیری میں سخاوت بڑی بات نہیں

تنگ دستی میں سخاوت اصل خوبی ہے

فقر و فاقے کے اندیشے جال بن کر آدمی کو جکڑ لیتے ہیں

امیر کو تنگ دستی کا خوف آن لیتا ہے

ان اندیشوں اور خوف سے بے نیاز ہو کر سخاوت کرنا ہی اصل چیز ہے

بحر الجود (سخاوت کا دریا) ایسی ہی ہستی کی کہانی ہے

زمانہ ان کے اندازِ سخاوت پہ انگشت بدنداں تھا

اس کے ساتھ ساتھ..................

تقویٰ، پرہیز گاری اُن کا اوڑھنا بچھونا تھا اور

فیاضی اور مہمان نوازی اُن کے اوصاف تھے

سخاوت کا یہ دریا کون تھے............؟

آپ جان جائیں گے...... کتاب کے مطالعے کے بعد

دارُالسّلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور • کراچی
اسلام آباد • لندن • ہیوسٹن • نیو یارک

www.urduguru1.blogspot.com